حضرت امام زین العابدین علیہ السلام

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی صاحب قبلہ طاب ثراہ

نام: علی　　لقب: سجاد و زین العابدین

ولادت: ۱۵ر جمادی الثانی ۳۸ھ

وفات: ۲۵ر محرم ۹۵ھ

آپ کا دور کربلا کے تاریخی کارنامہ اور شہادت امام حسینؑ کے بعد شروع ہوا یہ زمانہ وہ تھا جب مظالم کربلا کے ردِ عمل میں مسلمانوں کی آنکھیں کھل رہی تھیں کچھ مخلص افراد سچے جذبۂ عقیدت کے ساتھ بنی امیہ کے خلاف کھڑے ہو گئے تھے۔ اور کچھ نے سیاسی طور پر اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے حصول اقتدار کا اسے ذریعہ بنایا تھا۔ اس وقت عام انسانی جذبات کے لحاظ سے اندازہ کیجئے کہ ایک وہ ہستی جس نے کربلا کے ۷۲ر لاشے زمین گرم پر دیکھے ہوں اور یزید کے ہاتھوں خود وہ مظالم اُٹھائے ہوں جو کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک کے پورے المیّہ میں مضمر ہیں اسے ہر اس کوشش کے ساتھ جو سلطنتِ بنی امیّہ کے خلاف ہو رہی ہو کتنی قلبی وابستگی ہونا چاہئے اور اس وابستگی کے ساتھ بڑی مشکل بات ہے کہ وہ عواقب پر نظر کر سکے۔ ایسے موقعوں پر عام جذبات کا تقاضا تو یہ ہے کہ چاہے حبّ علیؑ کے جذبہ میں کچھ کوششیں نہ ہوں صرف بغض معاویہ میں ہوں مگر ایسی کوششوں کے ساتھ بھی آدمی منسلک ہو جاتا ہے۔ فقط اس لئے کہ ہمارے مشترک دشمن کے خلاف ہیں خصوصاً جب کہ اس میں کامیابی کے آثار بھی نظر آ رہے ہوں جیسے عبداللہ بن زبیر جنھوں نے حجاز میں اتنا مکمل تسلط حاصل کر لیا تھا کہ جمہوری نظریۂ خلافت کے بہت سے علماء قہر و غلبہ کی بنا پر ان کی باضابطہ خلافت کے قائل ہیں۔ جس کی تصدیق حافظ سیوطی کی تاریخ الخلفاء سے ہو سکتی ہے۔ یا اہل مدینہ کی منظم کوشش جس نے عمّالِ یزید کو وقتی طور سے سہی نکل جانے پر مجبور کر دیا تھا مگر ایسی حالت میں جب کہ جناب محمد بن حنفیہ کی وابستگی ان تحریکوں سے کسی حد تک نمایاں ہو سکی، امام زین العابدین کا کردار ان تمام مواقع پر اس طرح علاحدگی کا رہا کہ آپ کو ان تحریکوں سے کبھی وابستہ نہیں کیا جا سکا۔

یہ علاحدگی ہی بڑے ضبطِ نفس کا کارنامہ ہے چہ جائیکہ آپ نے اس موقع پر مصیبت زدوں کے پناہ دینے کی خدمت اپنے ذمہ رکھی۔ چنانچہ مروان ایسے دشمن اہل بیتؑ کو جب جان بچا کر بھاگنے کی ضرورت پیش ہوئی تو اپنے اہل وعیال اور سامان و اموال کی حفاظت کے لئے اگر کسی جائے پناہ پر اس کی نظر پڑی تو وہ صرف حضرت امام زین العابدینؑ تھے۔ اس کردار کا یہ نتیجہ تھا کہ جب پھر فوج یزید نے یورش کی مدینہ میں قتل عام کیا جو واقعۂ حرّہ کے نام سے مشہور ہے تو آپ کے لئے ممکن ہوا کہ آپ مظلومینِ مدینہ میں سے بھی چار سو بے بس خواتین کو اپنی پناہ میں لے سکیں اور محاصرہ کے

زمانہ میں آپ ان کے کفیل رہیں۔

آپ کا مروان کو پناہ دینا بتا رہا تھا کہ آپ ان ہی علی بن ابی طالبؑ کی روایات کے حامل ہیں جنھوں نے اپنے قاتل کو بھی جام شیر پلانے کی سفارش کی تھی اور حضرت امام حسینؑ کے جنھوں نے دشمنوں کی فوج کو پانی پلوایا تھا وہی کردار آج امام زین العابدینؑ کے قالب میں نگاہوں کے سامنے ہے۔

اس کی مثال پھر اس وقت سامنے آئی جب یزید کی موت کے بعد انقلاب کے خوف سے حصین بن نمیر جو مکہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ مضطربانہ اور سراسیمہ اپنے لشکر کو لے کر فرار پر مجبور ہوا اور مدینہ کی راہ سے شام کی طرف روانہ ہوا۔ بنی امیہ سے نفرت اتنی بڑھ چکی تھی کہ کوئی نہ ان لوگوں کو کھانے کا سامان دیتا تھا نہ اونٹوں اور گھوڑوں کے لئے چارا مہیّا ہوسکتا تھا اتفاق سے امام زین العابدینؑ اپنی زراعت سے غلّہ اور چارا لے کر واپس جا رہے تھے۔ حصین نے بڑھ کر ملتجیانہ انداز میں کہا کہ یہ غلّہ اور چارا میرے ہاتھ فروخت کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: ضرورت مند کی خاطر یہ بلا قیمت حاضر ہے۔ اس کرم کو دیکھ کر اس نے تعارف حاصل کیا۔ کہ آپ ہیں کون؟ جب معلوم ہوا تو اس نے حیرت کے ساتھ کہا آپ نے پہچانا بھی ہے کہ میں کون ہوں؟ حضرت نے فرمایا: میں خوب پہچانتا ہوں مگر بھوکوں اور پیاسوں کی مدد کرنا ہم اہل بیت کا شعار ہے، حصین اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوا کہ گھوڑے سے نیچے اتر کر کہنے لگا کہ یزید تو ختم ہو چکا ہے آپ ہاتھ بڑھایئے میں اپنے پورے لشکر سمیت آپ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کی خلافت کو تسلیم کرانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھوں گا اس پر آپ نے باندازِ تحقیر تبسم فرمایا اور بغیر کچھ جواب دیے آگے روانہ ہو گئے۔

اس دور انقلاب کے ہنگامی تقاضوں سے اس طرح دامن بچانے کے باوجود اس سرچشمہ انقلاب یعنی واقعہ کربلا کی یاد کو برابر آپ نے تازہ رکھا۔ یہ زمانہ ایسا نہ تھا کہ عمومی مجالس کی بنا ہوسکتی اور عوام میں تقریروں کے ذریعہ سے اس کی اشاعت کی جاتی۔ اس لئے آپ نے اپنے شخصی تاثراتِ غم اور مسلسل اشکباری پر اکتفا کی، جو بالکل فطری حیثیت رکھتی تھی۔ یہ مقاومت مجہول سے زیادہ غیر محسوس ذریعہ تھا ان انقلابی اقدار کے تحفظ کا جو واقعۂ کربلا میں مضمر تھے مگر آئینی طور پر کسی حکومت کے بس کی بات نہ تھی کہ وہ اس گریہ پر پابندی عائد کر سکتی۔ یوں مظالم کربلا کی رو میں کسی آنکھ سے آنسو نکلنے پر نوکِ نیزہ سے اذیت دی جاتی ہو تو وہ اور بات ہے مگر دورِ امن میں کسی انتہائی ظالم و جابر حکومت کے لئے اس کا موقع نہ تھا کہ وہ ایک بیٹے کو جس کا باپ تین دن بھوکا پیاسا پس گردن سے ذبح کیا گیا ہو۔ اور جس کے گھر سے ایک دو پہر میں اٹھارہ جنازے نکل گئے ہوں اور جس کی ماں بہنیں اسیر بنا کر شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار پھرائی گئی ہوں ان تاثرات کے اظہار سے روک سکے جو صرف رنج و ملال کی شکل میں آنسو بن کر اس کی آنکھوں سے جاری ہوں۔ پھر بلاشبہ اس غیر معمولی مسلسل گریہ میں جو پچیس برس تک جاری رہا وہ عظیم تاثیر تھی جسے چاہے تاریخ کی سطحی نگاہ اسباب انقلاب میں شمار نہ کرے مگر واقعیت کی دنیا میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بقیہ صفحہ۔۔۔۴۸ پر

لوگوں کو ہمارے ذریعہ ہماری طرف سے بتائے ہوئے محرمات الٰہی سے بچایا اور لوگوں کو حلال امور سے آگاہ کیا ہے یہ لوگوں میں سب سے زیادہ ہم سے نزدیک ہیں انھوں نے جس طرح دنیا میں ہماری طرف رغبت پیدا کی ہے آخرت میں بھی ہماری طرف سبقت کرنے والے ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے علوم الٰہیہ کا فیضان اتنا زیادہ چشم گیر اور خیرہ کنندہ ہے کہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی دانشورانِ یورپ ان کی تعلیمات میں غور وفکر اور بحث وجستجو کررہے ہیں۔

پروردگار! ہمیں محمدؐ وآل محمدؐ کی تعلیمات پر عمل کی توفیق عنایت فرما۔ آمین

☆☆☆

بقیہ حضرت امام زین العابدینؑ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس مسلسل گریہ کے واقعات کو تاریخوں میں پڑھنے کے بعد طبیعت انسانی کے فطری تقاضوں کی بنا پر ہر شخص ایسا تصور کرسکتا ہے کہ اس غم زدہ اور ہمہ تن گریہ وآہ ہستی سے اس کے بعد یہ توقع کرنا غلط ہے کہ وہ علوم ومعارف کی کوئی خدمت انجام دے سکے مگر نہیں ''معراج انسانیت'' تو اسی تضاد میں مضمر ہے کہ یہ غرقِ حسرت واندوہ ذات بھی اپنے فریضہ سے جو بحیثیت نائب حق رہنمائے خلق اس کے ذمہ ہے۔ غافل نہیں ہوتی۔ بے شک یہ دور ایسا پُرآشوب تھا کہ آپ کے گرد وپیش طالبانِ ہدایت کا مجمع نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ کسی مجمع کو مخاطب بنا کر کوئی تقریر نہیں فرماسکتے تھے۔ نہ اپنے قلم کے ذریعہ لوگوں سے سلسلۂ مخابرت جاری فرماسکتے تھے اس لئے اس دور کے تقاضوں کے ماتحت آپ نے منفرد طریقہ ''دعا ومناجات'' کا اختیار فرمایا۔ یہ بھی مثل ''گریہ'' کے ایک لازم بظاہر غیر متعدّی عمل تھا۔ جو کسی قانون کی زد میں نہیں آسکتا تھا مگر ان دعاؤں کو بھی جو ''صحیفۂ سجادیہ'' کی شکل میں محفوظ ہیں جب ہم دیکھتے ہیں تو بلا کسی شائبہ مبالغہ ومجاز کے یہ حقیقت نمایاں نظر آتی ہے کہ وہی روح جو حضرت علی بن ابی طالبؑ کے نہج البلاغہ والے خطبوں میں متحرک ہے وہی صحیفۂ کاملہ کی ان دعاؤں میں بھی موجود ہے صرف یہ کہ وہاں جو حکیمانہ گہراؤ اور خطیبانہ بہاؤ ہے اس کی قائم مقامی یہاں اس سوز وگداز نے کی ہے جس کا دعا ومناجات میں محل ہے اور اس طرح اس کے سننے والوں میں دماغ کے ساتھ ساتھ دل بھی شدت سے متاثر ہوتا ہے جو غالباً دوسروں کی اصلاح کے لئے کچھ کم اہمیت نہیں رکھتا اور اسی ذیل میں اخلاق وفرائض کے تعلیمات بھی مضمر ہیں۔ جو مدرسۂ اہلِ بیتؑ کے مقاصد خصوصی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس دور میں اس ذریعۂ تبلیغ وتدریس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ ممکن نہ تھا اور امام زین العابدینؑ نے اس ذریعہ کو اختیار کر کے ثابت کردیا کہ یہ حضرات کسی سخت ماحول میں بھی اپنے فرائض اور اہم مقاصد کو ہرگز نظر انداز نہیں کرتے۔